گورکھپور کے صوفی میاں صاحب کے یہاں محرم کی عزاداری

ڈاکٹر فرحت نسرین☆

گورکھپور میں میاں صاحب کا امام باڑہ شہر کی بہت جانی پہچانی جگہ ہے۔ اس کی تاریخ گورکھپور میں ۱۷۷۴ء میں سید روشن علی شاہ کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت روشن علی کے والد سید غلام اشرف، جو بخارا کے رہنے والے تھے، محمد شاہ کے دور میں دہلی آئے تھے، پھر یہ احمد شاہ ابدالی کے ایک حملے کے بعد دہلی چھوڑ کر سہارنپور میں مقیم ہوگئے۔ بعد میں انہوں نے گورکھپور آ کر محلّہ داؤد چاک میں، جواب 'میاں بازار' کہلاتا ہے سکونت اختیار کی۔ گورکھپور میں انہوں اپنے ماموں کی طرف سے کافی بڑی جائداد ورثے میں ملی تھی۔ روشن علی صوفی تھے اور بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کا زیادہ وقت عبادت یا مراقبے میں گزرتا تھا۔ حضرت علی کے خاندان سے خصوصی عقیدت و احترام کی وجہ سے انہوں نے ۱۷۸۰ء میں مسجد سمیت ایک امام باڑہ بنوایا۔ اس وقت امام باڑے کے اردگرد بہت کم آبادی تھی۔ اپنے زمانے میں ہی روشن علی قابل احترام صوفی مانے جاتے تھے۔ ان کی روحانیت غیر معمولی تھی اور بہت ممتاز وکراماتی طاقتیں ان سے منسوب تھیں۔

ایک مشہور روایت کے مطابق روشن علی پاس کے جنگل میں مراقبے میں غرق تھے کہ نواب اودھ آصف الدولہ کا اتفاقاً ادھر سے گزر ہوا جو شکار کی غرض سے جنگلوں میں گھوم رہے تھے۔ موسم بے حد ٹھنڈا تھا اور صوفی صاحب کے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے آگ کے الاؤ کے پاس، یادِ خدا میں غرق بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب کو ان پر رحم آیا اور اُس نے اپنی چادر انہیں دی جو سونے چاندی کے تاروں اور قیمتی موتیوں سے سجی ہوئی تھی۔ روشن علی نے فوراً اسے 'دھونی' پر رکھ دیا اور وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ اس حرکت پر نواب ناراض ہوئے، اُن سے پوچھا کہ انہوں نے یہ حرکت کیوں کی اور اپنی شال واپس طلب کی۔ روشن علی نے کہا کہ انہوں نے نواب کے تحفے کو اپنی دانست میں محفوظ ترین جگہ پر رکھ دیا۔ بہرحال، انہوں نے اپنے چمٹے سے وہی شال نکال کر نواب کو دے دی اور پھر اس وقت تک ویسی ہی شالیں یکے بعد دیگرے اس میں سے نکالتے رہے جب تک وہاں

☆ شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

شالوں کا ڈھیر نہ لگ گیا۔ نواب کو بڑی حیرت اور شرمندگی ہوئی اور انہوں نے ان سے معافی مانگی۔ نواب اُن کے امام باڑے گئے اور انہیں دس ہزار روپے کی نذر اور محصول معاف سولہ گاؤں دیئے۔ اس کے بعد آصف الدولہ نے دو تعزیے ایک سونے اور ایک چاندی کا علم اور چاندی کا پنجہ بھجوایا۔ ۱۷۹۷ء میں نواب کی ہدایت پر موجودہ امام باڑے کی بیرونی دیواریں اور بیرونی دروازے تعمیر کیے گئے اور ان کی تزئین کاری کی گئی۔ امام باڑے کے اندرونی حصے میں ایک چوبی محراب پر ایک فارسی شعر کندہ ہے جس کا مطلب ہے: ''یہ مذہبی عمارت ۱۲۱۲ ہجری میں نواب آصف الدولہ کے وزیرالملک، صوبے دار یحییٰ خاں بہادر نے تعمیر کروائی''۔

ایک اور مشہور روایت کے مطابق ۱۷۷۹ء کی تعمیر کے دوران چھت میں لگایا جانے والا لکڑی کا ایک لٹھا (شہتیر) کچھ چھوٹا پڑ گیا۔ جب روشن علی کو اطلاع ملی تو وہ اس کمرے میں گئے اور اللہ سے دعا کی: ''تو ایسی طاقت کا مالک ہے کہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور حالانکہ یہ لٹھا اب جنگل کا کوئی پیڑ نہیں ہے، مگر تو اپنی شانِ عظیم سے اسے بڑھنے دے''۔ اگلے دن وہ شہتیر ضرورت سے زیادہ لمبا نظر آیا۔ یہ ضرورت سے زیادہ بڑھا ہوا شہتیر ابھی تک امام باڑے میں محفوظ ہے۔

وقت کے ساتھ روشن علی بہت مشہور و مقبول ہوگئے۔ آس پاس کی ریاستوں جیسے رودرپور، بہرائچ اور ستاسی کے راجا اور حکمراں ان سے ملنے آئے اور انہیں امام باڑے کی دیکھ ریکھ وغیرہ کے لئے نقد اور زمینی نذرانے دیئے، کوشامی کی رانی لال کنواری دیوی نے روشن علی کو امام باڑے اور 'صوفی کی دھونی' کے لیے اپنے علاقے کے آدھے جنگل دے دیئے۔ ان عطیات کی اصلی دستاویزات موجودہ میاں صاحب کے پاس موجود ہیں۔

روشن علی کی زندگی میں ہی اس امام باڑے کی محرم کی عزاداری نے مقبولیت حاصل کرنی شروع کردی تھی۔ لیکن اس کا عروج ان کے جانشین احمد علی شاہ میاں صاحب کے دور میں ہوا۔ روشن علی صاحب کا انتقال ۱۲ مئی ۱۸۱۸ ہجری کو ہوا۔ ہندوگور کھشک پیٹھ کے وقائع کے ریکارڈ سے اندازہ ہوتا ہے کہ روشن علی کے تعلقات خاکی بابا سے دوستانہ قسم کے تھے اور ان کے مذہبی عقائد اُن کے آپسی اُنس و محبت میں کبھی حائل نہیں ہوتے تھے، اُن میں یہ بھی ہے کہ روشن علی شاہ اپنی روحانی طاقت سے شیروں کو قابو میں کر سکتے تھے، یہ خیال لوگوں میں آج تک موجود ہے۔

سید احمد علی شاہ نے امام باڑے کے متولی کی حیثیت سے ۱۲ مئی ۱۸۱۸ء سے ۲۷ نومبر ۱۸۹۵ء

تک فرائض انجام دیئے۔ ان کے زمانے میں اس امام باڑے اور میاں صاحب کے محرم کے جلوس کی مقبولیت اور شان و شوکت جیسی رہی اس سے پہلے کبھی نہیں رہی تھی۔ میاں صاحب کا محرم کا جلوس پانچویں، نویں اور دسویں محرم کو نکلتا تھا۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ امام باڑے میں راتوں میں ایک لاکھ چراغ روشن رہتے تھے اور امام باڑے کے منتظمین بہت شاندار جلوس نکالتے تھے جو کبھی کبھی سات کلومیٹر تک لمبا ہو جاتا تھا۔ عام طور پر غریبوں کو پورے مہینے کھچڑا بانٹا جاتا تھا۔ لیکن خود میاں صاحب بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کے بارے میں روایات مشہور ہوتی رہیں۔ مثال کے طور پر میاں صاحب جب جلوس میں سب سے آگے چلتے تھے تو اُن کا لباس پانچ کلیوں کا کرتا، ساڑھے چار میٹر لمبا سفید صافہ، کرتے پر وہ ڈھائی میٹر لمبی ایک سفید سادی سی شال ڈالے رہتے۔ موجودہ میاں صاحب، عدنان فرخ شاہ بھی یہی لباس پہنتے ہیں۔ پہلے میاں صاحبان محرم کے علاوہ عام طور پر عوام میں نہیں دیکھے جاتے تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ امام باڑے میں عبادت اور مراقبے میں مصروف رہتے تھے۔ جب محرم کے جلوس کے لیے ہاتھی یا گھوڑے خریدنے ہوتے تھے، تب بھی یہ لوگ امام باڑے سے باہر نہیں آتے تھے جانوروں کو خود ان کے پاس لایا جاتا تھا۔ بہرحال بعد میں بعض مجبوریوں کے باعث میاں صاحبان کی اتنی خلوت نشینی ممکن نہ رہ سکی۔ جس دن سے یہ لوگ امام باڑے کے متولی کی حیثیت سے کام سنبھالتے تھے اپنے بال نہیں کٹواتے تھے۔ پہلے میاں صاحب جنھوں نے اس فریضے کو ادا کرتے ہوئے بال کٹوائے وہ سید جواد علی شاہ تھے۔

یہ بات کہ ۱۸۵۷ء تک اس امام باڑے میں بہت لوگ شریک ہوتے تھے، اور پولیس کی نگہداشت کی ضرورت ہوتی تھی، اس کا ثبوت شاہ احمد علی کی کتاب'' کاشف البغاوت گورکھپور' میں اُس بیان سے ملتا ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کے افسروں کو لکھا تھا کہ'' گورکھپور میں بغاوت کی وجہ سے سیاسی ہلچل کے باوجود امام باڑے کے جلوس میں ساتھ رہنے کے لئے، جس طرح پہلے انتظام کیا جاتا رہا ہے، اب بھی مسلح سپاہیوں کا انتظام کرنا ضروری ہے''۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل حقیقت ہے کہ باغی 'ناظم' محمد حسن کی سربراہی میں ہی امام باڑے کو لوٹا گیا تھا۔ گورکھپور میں برطانوی حکومت کے دوبارہ قیام پر حکومت نے احمد شاہ کو امام باڑے کی تلف شدہ املاک کو دوبارہ جمانے کے لیے پانچ ہزار روپے نقد اور چوالیس گاؤں دیئے تھے۔ سونے اور چاندی کے تعزیوں کو لٹیروں نے ہاتھ نہیں لگایا تھا اور وہ آج تک محفوظ ہیں۔ حکومت برطانیہ کی دی ہوئی مالی اعانت کی سند اب بھی میاں صاحب

کے پاس موجود ہے۔ امام باڑے کے لوٹے جانے کی تفصیلات جو احمد علی نے دی ہیں وہ بہت تکلیف دہ ہیں۔ جس دن امام باڑے کو لوٹا گیا وہ ۱۷ محرم تھی، (کاشف البغاوت گورکھپور) انہوں نے لکھا ہے کہ غریبوں میں تقسیم کے لیے جو کھانا پکایا جارہا تھا وہ برتنوں میں ویسا ہی بچا رہ گیا کیونکہ لوٹ مار کی افراتفری میں ہر شخص مبہوت سا ہوگیا تھا۔ انہوں نے لوٹے ہوئے سامان کی مکمل فہرست دی ہے اور اس کی قیمت کا تخمینہ تقریباً ۳۴۰۰۰ روپے لگایا ہے (سابقہ حوالہ صفحہ ۶۷) مقامی ہندوستانی لوگوں کے علاوہ اس حادثے سے انگریزوں کو بھی رنج ہوا تھا کیونکہ امام باڑے کو ہر شخص بہت محترم و مقدس سمجھتا تھا۔ احمد علی نے محمد حسن کی بہت تنقید کی ہے۔ اس کے متعلق احمد علی نے کہا ہے کہ وہ اپنے نجیب الطرفین سید ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پھر بھی اس نے امام باڑے کی املاک کو برباد کرنے میں حصہ لیا۔ احمد علی مطابق لٹیروں نے سونے اور چاندی کے تعزیوں پر اس لیے ہاتھ نہیں ڈالا کہ انہیں اُن لوگوں کے غم و غصے کا خوف تھا جو بغاوت میں شریک نہیں تھے۔ اگر ایسا کرتے تو خون خرابہ ہوتا اور بڑا زبردست فساد ہوتا۔ ان تاریخی تعزیوں کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی جان دینے کو تیار ہوجاتے۔ (سابقہ حوالہ صفحات ۹۳۔۹۲) حقیقت میں ہندو میاں صاحب کا جو احترام کرتے تھے وہ دوطرفہ معاملہ تھا کیونکہ انہوں نے اپنی ایک کتاب 'نورالحقیقت' (صفحہ ۴۲) میں لکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں تمہارے دوست ہونے چاہئیں۔

''نورالحقیقت'' میں احمد علی نے حضرت علیؓ کے لیے متعدد حصے مختص کیے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ دائمی سکونِ قلب اور روحانی انبساط کے لیے محرم ضرور منانا چاہیے۔ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے محبت انسان کی سب سے قیمتی چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ ہماری اس دنیا میں بھی مددگارومعاون ہوگی اور اس زندگی کے بعد ہمیں جنت بھی بخشے گی۔ علیؓ کی محبت کسی گناہ گار کو نیک انسان بناسکتی ہے۔ اپنی ایک اور کتاب 'محبوب التواریخ' (صفحہ ۹۴) میں انہوں نے لکھا ہے کہ انسان کو حسینؓ کو صرف محرم میں ہی نہیں ہر روز اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ یہ چیز ہمیں بہت سے گناہوں سے محفوظ رکھے گی اور ہمیں ایک بہتر انسان بنادے گی۔

احمد علی کا انتقال ۲۷ نومبر ۱۸۹۵ء کو ہوا۔ ان کے جانشین سید واجد علی شاہ ہوئے اور انہوں نے متولی کی حیثیت سے ۲۹ر اگست ۱۹۱۵ء تک یہ فرض انجام دیا۔ ان کی جانشینی سید جواد علی شاہ کو ملی جو ۱۹۷۰ تک متولی رہے۔ ان کے بعد عدنان فرخ شاہ متولی ہوئے جو اب بھی یہ فرائض انجام دے

رہے ہیں اور 'میاں صاحب' کہلاتے ہیں۔ اس امام باڑے کی سماجی حیثیت اور قدر زبردست ہے۔

نیچے ان تعلیمی اداروں کی فہرست دی جارہی ہے جو میاں صاحب کے امام باڑے کی مالی اعانت سے وجود میں آئے ہیں۔

۱- امام باڑہ مسلم گرلز انٹر کالج۔ ۱۹۲۶
۲- میاں صاحب امام باڑہ پرائمری اسکول ۱۹۲۶
۳- میاں صاحب امام باڑہ اسلامک کالج ۱۹۳۱
۴- ورنا کیولر مڈل اسکول ۱۹۳۲
۵- امام باڑہ ہائی اسکول ۱۹۴۸
۶- امام باڑہ انٹر کالج ۱۹۵۵
۷- امام باڑہ پوسٹ گریجویٹ کالج ۱۹۷۳
۸- میاں صاحب امام باڑہ جونیئر ہائی اسکول، گسمی ۱۹۹۰
۹- میاں صاحب امام باڑہ کاس نکیتن، گسمی ۱۹۹۰
۱۰- اسلامیہ کالج آف کامرس، گورکھپور ۱۹۹۴

امام باڑہ ٹرسٹ سے چلائے جانے والے مدرسے یہ ہیں۔

۱- عزیزیہ مظہر العلوم۔ گورکھپور، ۱۹۶۰
۲- بنکول کا مدرسہ ۱۹۶۵
۳- بہرائچ کا مدرسہ ۱۹۶۵
۴- گسمی کا مدرسہ ۱۹۸۱

گورکھپور میں میاں صاحب کا امام باڑہ ایک ایسا ادارہ ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم، امیر و غریب سب گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ پانچویں، نویں اور دسویں محرم کے جلوس پورے شہر کے اہم پروگرام ہیں۔ یہ شہریوں کو اپنی ذمہ داریوں کی یاد دلاتے ہیں، جن میں جذباتی اور جسمانی دونوں قسم کی ذمہ داریاں شامل ہیں اور اس مقصد میں صبر و سکون سے جمے رہنے کی تعلیم دیتے ہیں خواہ اس کا نتیجہ اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ صاحبان یقین و ایمان کے لیے اس ظاہرہ اور موجودہ دنیا سے زیادہ طویل تو اس کے بعد کی زندگی ہے۔